باسمہ تعالیٰ

اشارات

کسے خبر تھی کہ جس خطہ پاک کو مال و جان، عزت و آبرو کی بے شمار قربانیوں کے عوض اسلام کے لیے تجربہ گاہ کے طور پر حاصل کیا گیا تھا وہ ایک نہایت ہی قلیل مدت میں فتنوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور وہ سرزمین جس میں صرف اللہ کا حکم بلند ہونا تھا اس میں شیطنت کے تند و تیز طوفان اٹھیں گے۔ جس شخص نے پاکستان کی مختصر سی تاریخ کا ایک سرسری جائزہ لیا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ فتنوں کا ایک لامتناہی چکر ہے جس میں ہر وہ فرد اپنے آپ کو گرفتار پاتا ہے جو مسلمان کی حیثیت سے یہاں زندہ رہنا چاہتا ہے اور یہاں کی دولت کے ساتھ دفن ہونے کی آرزو رکھتا ہے۔ یہاں کا برسر اقتدار طبقہ ہر شر کی محض اس لیے پشت پناہی کر رہا ہے کہ کسی طرح اسلام پر عرصہ حیات تنگ ہو اور یہ دین اپنے گھر میں ہی اجنبی ہو کر رہ جائے۔ یہاں کفر و الحاد، فسق و فجور کو لوگوں پر مسلط کرنے کی مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں، یہاں صنفی بے راہ روی اور عیش و طرب کو فروغ دینے کے لیے سامان مہیا ہو رہے ہیں، یہاں خاندانی نظام پر، جو دراصل اسلامی اقدار کا مضبوط ترین حصار ہے ایک گہری سازش کے ساتھ تابڑ توڑ حملے کئے گئے۔ پھر اسی سرزمین میں نہ صرف قادیانیت کو پناہ حاصل ہوئی، بلکہ اسے شہ بھی ملی تاکہ وہ ملت اسلامیہ کے اندر انتشار پیدا کر سکے۔ یہاں فتنہ انکار حدیث کی پوری پوری سرپرستی کر کے اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ کسی طرح اس قوم کے دل و دماغ سے اپنے ماضی کی عظیم الشان روایات کو محو کیا جائے، تاکہ اس کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے جہاز بے لنگر ہو کر بڑی آسانی کے ساتھ ان کے اچھلتے ہوئے طوفانوں کی نذر ہو جائیں۔ اس سلسلہ کا ایک شاہکار یہ بھی ہے کہ جس بنیاد پر یہ ملک تقسیم ہوا تھا اسی بنیاد کو بھی مخلوط انتخاب کے ذریعہ منہدم کر دیا گیا ہے۔ فتنوں کی اس لمبی فہرست میں اب ایک تازہ اضافہ

"ضبط ولادت" کے فتنہ سے ہوا ہے، جسے یار لوگوں نے اپنی روایتی ہوشیاری کے ساتھ عائلی منصوبہ بندی کے "مقدس" نام سے پیش کیا ہے۔

اس فتنے کو اٹھانے کا ٹکنیک بھی وہی پرانا ہے یعنی ایک مسئلہ جو ہمارے ملک کے لیے کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا مگر جس سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جا سکتے ہیں اُسے بیٹھے بیٹھے محض ایک شوشہ کے طور پر چھوڑ دیا جاتا ہے پھر اس کی نشر و اشاعت کے لیے پوری سرکاری مشینری حرکت میں آجاتی ہے اور اس طرح اس کے گرد پراپیگنڈا کا طوفان اٹھا کر اپنے ناپاک عزائم کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

بالکل اسی انداز سے ضبط تولید کے فتنہ کو بھی اٹھایا جا رہا ہے۔ یکایک لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ ملک کی آبادی بڑی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور ذرائع پیداوار محدود ہیں۔ اگر یہی صورت حال رہی تو یہاں کے رہنے والے شدید مصائب سے دوچار ہوں گے۔ پھر اس کا خود ہی یہ حل بھی تجویز فرما دیا کہ اس مصیبت سے بچنے کی اگر کوئی صورت ممکن ہے تو صرف یہی ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعہ آبادی کو بڑھنے سے روک دیا جائے۔

یہ مسئلہ بظاہر بڑا نازک معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے جو حل پیش کیا گیا ہے وہ بھی سطح بین آنکھوں کو کافی معقول دکھائی دیتا ہے مگر وہ لوگ جن کے دل و دماغ جھوٹے پراپیگنڈا سے ماؤف نہیں ہوتے اور جن کی نگاہیں سطحی اور وقتی مسائل میں الجھ کر نہیں رہ جاتیں بلکہ حقائق کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس مسئلہ کو اٹھانے کا مقصد بھی اسلام کے خلاف زمین ہموار کرنا ہے۔

آئیے اب ہم اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔

جو انسان بھی اس دنیا میں جنم لیتا ہے اُسے کھانے کے لیے خوراک، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا، سر چھپانے کے لیے مکان اور بیمار ہونے کی شکل میں علاج معالجہ کی ضرورت ہے۔ دنیا کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں

جوان سے بے نیاز نہ رہ سکے۔ اپنی ان روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہ زندگی میں جدوجہد کرتا ہے اپنی جسمانی اور ذہنی قوتوں کو کام میں لا کر دولت کماتا ہے اور پھر اسے ان کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے۔ حیات انسانی کی یہ احتیاجات درحقیقت وہ زبردست محرکات ہیں جو ایک فرد کے اندر سعی و عمل کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

عمر کی ایک خاص حد تک پہنچنے کے بعد جب انسان اپنے آپ کو رشتہ مناکحت میں باندھتا ہے تو پھر اس کی ضروریات کا دائرہ بھی پھیلتا ہے۔ وہ اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے کہ اپنے لیے ان ضروریات کو مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ انہیں اپنی رفیقہ حیات کے لیے بھی فراہم کرے۔ اس جذبہ سے اس کے اندر مزید محنت کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب اس کے ہاں اولاد ہوتی ہے تو اس کی جدوجہد اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔ بیوی بچوں کی محبت اسے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے ذاتی آرام و آسائش کو قربان کر کے اپنے گھر والوں کو ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرے۔ خود دکھ جھیل لے مگر کسی طرح انہیں سکھ پہنچائے۔ یہ احساس نہ صرف انسانوں کو محنت و مشقت کی راہ پر لگاتا ہے بلکہ اُن کے اندر ایثار، وسعت قلبی، تحمل ضبط نفس ایسی بلند صفات بھی پیدا کرتا ہے۔ اب اگر کوئی مصلح قوم اس ملت کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ تم ضبط تولید کے ذریعہ اولاد کی افزائش کو روک دو تو وہ دراصل نہ صرف سعی و جدوجہد کے اس آخری محرک کو مٹاتا ہے جو اولاد کی محبت سے نوع انسانی کے سینے میں موجزن ہوتا ہے، بلکہ وہ انسانوں کے اندر ایک نہایت ہی ذلیل قسم کی خود غرضانہ ذہنیت بھی پیدا کرتا ہے، جو آگے چل کر اس کے اندر اس احساس کو پرورش کرے گی کہ اُسے دنیا کے سارے فوائد و لذائذ خود اپنے لیے سمیٹ لینے چاہئیں اور دوسروں کو اس سے محروم کر دینا چاہیے۔

پھر اولاد کی محبت ایک ایسی مقناطیسی قوت ہے جو میاں اور بیوی کو باہم ایک دوسرے سے زندگی بھر جوڑے رکھتی ہے۔ شہوانی جذبہ جس میں ایک قسم کی خود غرضی پائی جاتی ہے، اس میں یہ طاقت نہیں کہ ان دونوں کو تاحیات ایک دوسرے سے باندھ کر رکھے۔ نکاح کے بعد کچھ مدت تک تو یہ جذبہ بلاشبہ انہیں ایک دوسرے کے قریب رکھ سکتا ہے مگر یہ جلد ہی سرد پڑ جاتا ہے اور اس میں وہ جاذبیت باقی

نہیں رہتی کہ ان مائل بہ انتشار افراد کو ایک مسلک میں منسلک کر دے ۔ اس وقت اولاد کی محبت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو انہیں منتشر نہیں ہونے دیتا ۔ اس لیے جو لوگ اولاد کی ذمہ داریوں سے کتراتے ہیں اور انفرادی عیش و آسائش میں مشغول رہنا چاہتے ہیں وہ در اصل خاندانی نظام کے لیے ایک عظیم خطرہ ہیں یورپ میں جس رفتار سے ضبط تولید کا گمراہ کن نظریہ پھیلا بالکل اسی رفتار کے ساتھ وہاں طلاقوں کی تعداد بھی بڑھی اور خاندانی نظام بالکل تباہ ہو کر رہ گیا ۔ اس صورت حال کی جو تصویر امریکہ کے ایک مشہور پروفیسر نے کھینچی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

" ہم کھانا اب ہوٹلوں میں اور ریستوران میں کھاتے ہیں ۔ ہماری روٹی بیکری سے آتی ہے ۔ کپڑے لانڈری میں دھلتے ہیں ۔ اگلے وقتوں میں تفریح کے لیے لوگ خاندانوں کی طرف رجوع کرتے تھے ، لیکن اب اس کے لیے سینماؤں ، تھیٹروں اور کلبوں کا رخ کیا جاتا ہے ۔ پہلے خاندان ہماری دلچسپی کا مرکز تھا اور خاندانی زندگی ہی میں سکون و آسائش تلاش کی جاتی تھی مگر اب خاندان کے افراد بکھر گئے ہیں ۔ اور اگر کچھ مل کر بھی رہتے ہیں تو اُن کا مقصد فوت ہو گیا ہے ۔ وہ دن کا زیادہ وقت اکیلے فکر معاش میں بسر کرتے ہیں ۔ رات کا وقت جس میں کہ خاندان کے افراد اکٹھے ہوتے تھے وہ بھی اب علیحدگی میں گذرتا ہے ۔ ہمارے گھر ہمارے لیے استراحت کی جگہ نہیں رہے جہاں ہم بہر حال شب باش ہوں ۔ شب باشی کا تو ذکر ہی کیا اب تو ایک پوری رات بھی لوگ اپنے گھروں میں بسر کرنا پسند نہیں کرتے "

یہ تصور کائنات اور اس کے خالق کے بارے میں بھی ایک نہایت ہی گمراہ کن نظریہ کی آبیاری کرتا ہے انسان کے ذہن میں یہ خیال آہستہ آہستہ جڑ پکڑنے لگتا ہے کہ قدرت معاذ اللہ بڑی بخیل اور بے رحم ہے وہ ہر ذی روح کے ساتھ ایک شرمناک کھیل کھیلتی ہے ۔ اس نے ایک ایسی زمین پر نسلوں کے پیدا ہونے اور بڑھنے کا سامان کر دیا ہے جس میں ان نسلوں کو پالنے کے لیے کافی سامان نہیں ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آبادی کو رزق کے ساتھ ساتھ رکھنے کے لیے قحط اور بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں ۔ جنگ و جدال اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا ہے ۔ قدرت کے لیے رحم دیوتا " دور کھڑے انسانوں کی اس تباہی بربادی کا

تماشہ بڑے فرحت و انبساط سے دیکھتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر انسانوں کے دل و دماغ میں خالق کائنات کے خلاف ایک نہایت ہی خوفناک بغاوت کی تخم ریزی کرتا ہے اور خدا کی خدائی میں انسان کے مستقبل کو سراسر تاریک دکھاتا ہے۔

یورپ کی پچھلی چند سالوں کی تاریخ اس بات پر ایک زندہ شہادت ہے کہ قدرت کے خزانے بے حد و حساب ہیں، کوئی شخص بھی کسی منزل پر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فطرت نے اپنی بخشش سے ہاتھ روک لیا ہے جو فرد بھی اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے وہ دراصل حقیقت کا منہ چڑاتا ہے۔ قدرت نے بلاشبہ اپنے خزائن کو تقسیم کرنے کا انتظام کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ انسان کے اندر ان کی طلب کے ساتھ سعی کا جذبہ بھی پیدا ہو، مگر اس نے اپنے دروازے کبھی اُن لوگوں پر بند نہیں کئے جنھوں نے انہیں کھٹکھٹانے کی ہمت کی۔

ہر بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی   جو بڑھ کر خود اٹھالے، ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

یورپ ـــ خصوصاً مغربی اور وسطی یورپ میں گذشتہ صدی سے آبادی حیرت انگیز رفتار کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ مگر اسی نسبت سے وہاں طریق پیدائش کی نئی نئی گرہیں بھی کھلیں۔ لوگوں نے زمین کے سینے کو چاک کر کے اناج کی اس قدر زیادہ مقدار حاصل کی کہ آج سے کچھ عرصہ پیشتر اس کا کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔ کیا انگلستان کا معیار زندگی آبادی میں معتدبہ اضافہ کے باوجود گر گیا ہے۔ کیا آج امریکہ اور روس میں خوراک کی کمی ہے؟ کیا چین نے اپنی بلند ہمتی، محنت اور جفاکشی سے مالتھس کے نظریہ آبادی کو باطل نہیں کر دیا۔

جن ماہرین نے پاکستان کا ارضیاتی جائزہ لیا ہے اُن کا خیال ہے کہ قدرت نے اس ملک کے رہنے والوں کے ساتھ بڑی فیاضی کا سلوک کیا ہے۔ قدرت کے یہ انمول عطیات زمین کی سلوٹوں میں منہ چھپائے اس بات کے سراپا منتظر ہیں کہ کوئی تیز اور متجسس نگاہ سطح زمین کے خارجی پردوں کو چیرتی ہوئی اُن تک پہنچے اور انہیں معلوم کرے اور پھر کوئی متحرک ہاتھ انہیں وہاں سے نکال کر استعمال میں لائے۔ پاکستان کی اصل ضرورت اس وقت قدرت کے ان چھپے ہوئے عطیات کو معلوم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا ہے۔ مگر

ہمارے یہ بہی خواہ ہمیں اس وقت کم ہمتی کا مشورہ دیتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم پیداوار اور وسائل زندگی میں اضافہ کرنے کی بجائے، اولاد میں کمی کر دو تاکہ جو کچھ اس وقت ذرائع ہیں وہی آبادی کے لیے کافی ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کا صاف ارشاد ہے :

ولا تقتلوا اولادکم من املاق — اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر کی وجہ سے نہ قتل کرو۔ ہم

نحن نرزقکم وایاھم (الانعام رکوع ۱۹) — تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

اس نظریہ نے انسان کے متعلق بھی ایک نہایت گھٹیا تصور پیش کیا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی حیثیت اس کارخانہ حیات میں ایک عارضی و اتفاقی شئے کی سی ہے جو فطرت کی اندھی قوتوں کی نہ صرف تخلیق ہے بلکہ اُن کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونا بھی ہے اُسے اس مادی دنیا میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں وہ اس بات پر مجبور ہے کہ مادی دنیا کے وسیع اور پیچیدہ طلسم میں جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہوا ہے ایک مبہوت حیوان کی سی زندگی بسر کرے اور فطرت کی ان کرشمہ سازیوں کا ایک خاموش اور غیر متعلق تماشائی بن کر رہے۔

مالتھس کا تصور سائنس کے جن نظریات پر مبنی ہے وہی اب بدل چکے ہیں۔ اب مادہ کا سکون آفریں تصور قابل قبول نہیں رہا۔ اس دنیا کو اب چند طبیعی قوتوں کا ایک کھیل تسلیم نہیں کیا جاتا۔ آگہی اور وقوف سے نوازے جانے کے بعد، انسان کی آزادی کی ابتدا ہوئی اور اس دور کا خاتمہ ہوا جب وہ مجبور محض تھا۔ اب انسان زمان و مکان کے تقیدات کا پابند نہیں بلکہ دورِ آفاق اپنی رفتار کے پیچ و خم کو اس کے اشارہ ابرو کے مطابق معین کرتا ہے، مادی اسباب و وسائل کی کمی اُس کے عزائم کو کمزور اور اس کے ارادوں کو پست نہیں کر سکتی بلکہ یہ اُسے اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ فکر و شعور کی قوتوں سے مسلح ہو کر متصادم ہو، اور اسی طرح اپنی توسیع و بقا کا سامان مہیا کرے۔

اس تصور کا ایک اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر وہ انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ سوسائٹی پر محض ایک بوجھ ہے۔ آپ خود غور کریں جب انسان کو صرف ایک بوجھ کی حیثیت دیتے

دیکھا جائے تو اُس کے متعلق کس قسم کے جذبات پیدا ہوں گے اور کس قسم کے احساسات پرورش پائیں گے۔ جو لوگ انسان کے متعلق اس خیال کو پھیلا رہے ہیں وہ غالباً اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ آدم کا جو بیٹا ایک پیٹ لے کر پیدا ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ کام کرنے کے لیے دو ہاتھ دو پاؤں اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل و دماغ کی بے شمار صلاحیتیں بھی لاتا ہے۔ اس نظریہ میں اس خیال کو بڑی شدت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ ایک فرد جو کچھ سماج سے لیتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو کچھ کہ وہ اُسے دنیا ہے یا دے سکتا ہے۔ بد دیانتی اور بے انصافی کی اس سے زیادہ اور کون سی مثال ہوسکتی ہے۔

ضبط ولادت کے نظریہ کو جن حالات نے جنم دیا انہیں بھی یہاں سمجھ لینا بے حد ضروری ہے۔ یورپ نے جب بھاپ کے دیو کو مسخر کر کے اُس سے کام لینا شروع کیا تو اس سے یورپ کا پورا نظام معیشت و معاشرت تہہ و بالا ہوا۔ چونکہ اس سارے ڈرامہ کا ہیرو سرمایہ تھا اس لیے اُسے سماج میں ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہونے لگی۔ وہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کا معبود بن گیا۔ پھر قوت و اقتدار دونوں خود بخود اُس کے قدموں میں آگرے۔ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس نے ایسے ایسے نظریات گھڑے جن سے اُس کی پوزیشن بالکل مضبوط ہو جائے۔

یہی وہ وقت تھا جب محنت کشوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ کارخانہ دار پیداوار کا اکثر حصہ خود سمیٹ لیتا اور ان غریبوں کو قوت لایموت بھی میسر نہ آتی۔ وہ نہایت ہی حسرت بھری نگاہوں سے یہ دیکھ رہے تھے کہ قوم کے چند خوش نصیب لوگ دن بدن امیر سے امیر تر ہوتے چلے جارہے ہیں مگر ان میں اب یہ سکت بھی باقی نہیں رہی کہ وہ جسم و روح کے تعلقات کو قائم رکھ سکیں۔ اس نازک صورت حالات نے انہیں سوچنے پر مجبور کیا۔ سرمایہ داروں کو جب یہ خطرہ ہوا کہ کہیں اُن کے سوشح دچار کی زد ہم پر نہ پڑے تو انھوں نے کمال عیاری سے لوگوں کے کان میں یہ بات پھونک دی کہ اس غربت و افلاس کی ذمہ داری یا تو خود اُن پر عائد ہوتی ہے یا فطرت پر۔ اور اس معاملہ میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ لوگ

(باقی صفحہ ۶۲ پر)

(بقیہ اشارات)

اس لیے فاقہ مست ہیں کہ ان کے ہاں اولاد زیادہ ہوتی ہے اور قدرت کے ذرائع محدود ہونے کی وجہ سے ان کی کفالت نہیں کر سکتے۔ یہ چال بڑی کارگر ثابت ہوئی اور لوگوں نے معاشرے میں دولت کی بہتر اور عادلانہ تقسیم کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اولاد کو گھٹانے کے منصوبے بنانے شروع کئے۔

علم معیشت کا اس وقت سب سے اہم مسئلہ پیدائش دولت کا مسئلہ نہیں بلکہ تقسیم دولت کا مسئلہ ہے۔ یہ بات موجب حیرت ہے کہ زمین ہر سال لاکھوں ٹن زائد غلہ اگلتی ہے مگر بے شمار لوگ نان جویں تک سے محتاج رہتے ہیں۔ فراوانی کے اس دور میں کمیابی، دولت و ثروت کے اس عہد میں یہ غربت و افلاس اس بات کا بین ثبوت ہے کہ نقص پیدائش میں نہیں بلکہ تقسیم میں ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جب کبھی بہتر اور عادلانہ تقسیم کا سوال پیدا ہوگا تو اس کے ساتھ معاشرے کی تعمیر نو کا مسئلہ بھی خود بخود ابھرے گا۔ سرمایہ داروں کو چونکہ اس حقیقت کا علم ہے کہ لوگوں نے اگر اس نہج پر سوچنا شروع کر دیا تو یہ ان کی موت ہوگی، اس لیے انھوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی ہے کہ عوام کے غیض و غضب کو یا تو خود ان پر الٹا دیا جائے یا اسے قدرت کی طرف لوٹا دیا جائے اور اس طرح خود ان کی عیاشیوں میں فرق نہ آنے پائے۔

دولت کی اس غیر منصفانہ تقسیم پر بے جا اصرار کے جو برے ثمرات فاشزم اور کمیونزم کی شکل میں یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں، کیا اہل پاکستان بھی انہیں سے جھولی بھرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کا صحیح حل یہ ہے کہ ایک حقیقت پسند انسان کی طرح فساد کے اصل مرکز کی طرف توجہ کر کے اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ جبر و استبداد کے یہ سیلاب نہ تو کبھی پہلے ان کمزور فلسفوں کے سہاروں پر رکے ہیں، نہ اب یہ گمراہ کن نظریات انہیں روک سکتے ہیں۔

فاقہ مستی سے بچنے کے اس نسخہ کیمیا نے یورپین اخلاق کو بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اس سے اباحیت مطلقہ (صنفی انارکی) کو سہارا ملا۔ یورپ کی سرزمین جس میں شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہر قسم کے سامان موجود ہیں وہاں اگر کوئی ڈر عورت کو زنا سے باز رکھ سکتا ہے تو وہ حمل کا خوف ہے

قدرت کا یہ پاسباں ہر صنف نازک کی عفت و عصمت کی بے مزد حفاظت کرنا ہے۔ ضبط تولید کے ذریعہ جب اس خوف کو ختم کر دیا گیا تو پھر صنفی انارکی کا وہ طوفان اٹھا کہ جس کی مثال تاریخ انسانی میں مشکل ہی سے ملتی ہے۔ نکاح کے بندھن بڑی سرعت کے ساتھ ٹوٹنے لگے کیونکہ اب آزاد شہوت رانی کے راستے میں کوئی چیز حائل نہ رہی۔ اور اس طرح دیکھتے دیکھتے یورپ کا ہر ہوٹل، ہر پارک، ہر کوارٹر عصمت فروشی کا اڈہ بن گیا۔

اس کے علاوہ جو قومیں ایک دفعہ اس چکر میں گرفتار ہوئیں وہ ہزار کوششوں کے بعد اس سے نجات حاصل نہ کر سکیں۔ ضبط تولید کی وجہ سے جرمنی اور فرانس کی آبادی میں معتدبہ کمی ہوگئی۔ یہ چیز ان کے لیے جنگ کی صورت میں بڑی خطرناک تھی۔ چنانچہ اس کو ختم کرنے کے لیے بے شمار تدبیریں عمل میں لائی گئیں غیر شادی شدہ لوگوں پر بھاری ٹیکس عائد کیے گئے، کثیر الاولاد لوگوں کو مختلف قسم کے وظائف دیے جانے لگے۔ مگر ان ساری کوششوں کے بعد بھی حالات کسی طرح سنبھلنے نہ پائے اور یہ چیز ان دونوں اقوام کو لے ڈوبی۔

کیا پاکستان کے ارباب بست وکشاد اس ملک کو انہیں خطرناک راہوں پر ڈالنے کا تہیہ کر چکے ہیں ایک طرف ان کی سرحد کے اس پار ایک ایسا معاند ملک ہے جس کی آبادی پاکستان کی آبادی سے چار گنی سے بھی زیادہ ہے۔ دوسری طرف یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کی آبادی جتنی ہے اس سے بھی کم ہو جائے۔ اس صورت میں کیا پاکستان کے ارباب اقتدار اس ملک کا حشر فرانس سے بھی بدتر کر دینا چاہتے ہیں۔